جمال کی واقعیت اور جمالیاتی قضایا کی صحت

خضر یاسین

حسن و جمال نظری اعتبار سے ایک فضیلت ہے اور عملی لحاظ سے ایک حقیقت ہے۔ حقیقت ہونے کی حیثیت سے حسن و جمال شے کی ایک صفت ہے اور فضیلت ہونے کی حیثیت سے اس کا شمار ان اقدار میں ہوتا ہے جو مقصود بالذات ہیں۔ ہم جمال کا ایسا کوئی تصور نہیں رکھتے جو قائم بالذات ہو یعنی حسن تو موجود ہو مگر صاحب حسن یا حسین و جمیل موجود نہ ہو۔ گویا حسن و جمال شے کے اَعراض میں سے ایک عرض ہے۔ جب ہم شے کا لفظ بولتے ہیں تو ہمارے پیش نظر شے کی وہ نمود مراد ہوتی ہے جس سے ہم اس شے کو تعبیر کرتے ہیں۔ شے کی نمود سے مراد کیا ہے؟ شے کے لامحدود محسوسات میں سے کوئی ایک محسوس مظہر ـــــ حسن و جمال بھی اسی طرح شے کے مظاہر یا محسوسات میں سے ایک مظہر یا محسوس ہے۔ حسن و جمال اسی معنی میں حق یا حقیقت ہے۔ جہاں تک حق کا تعلق ہے تو وہ حسن و جمال میں محدود ہے نہ منحصر ہے۔ حق یا حقیقت کا مقام و مرتبہ اپنے ہر مظہر سے بلند و بالا ہے۔ حسن و قبح کی واقعیت کا انکار ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ وہ دونوں ناقابل انکار مشاہدے پر مبنی ہیں۔ جس طرح قبح موجود ہے اسی طرح حسن موجود ہے اور جس طرح حسن شے کی صفت ہے اسی طرح قبح بھی شے کے اَعراض میں شامل ہوتا ہے۔ جب یہ بات طے ہو چکی کہ حسن و جمال شے کے ساتھ قائم ایک عرض ہے اور اپنا مستقل وجود نہیں رکھتا کہ ہم اس کا مشاہدہ یا ملاحظہ محض اس کی ذات سے کر سکیں تو یہ بھی طے ہونا چاہیے کہ حسن و جمال کے بارے کوئی بھی قضیہ اس وقت تک کسی قسم کا کوئی عقلی تصور نہیں دے سکتا تاوقتیکہ وہ اپنا واقعی معروض نہ رکھتا ہو، جس پر وہ قضیہ بالذات صادق آتا ہو۔

اب ہم اس قضیے کی ایک اور اہم شرط کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی حسن و جمال کی اپنے ناظر کے حوالے سے واقعیت و معنویت۔ حسن و جمال کو جب ناظر کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے تو وہ ایک فضیلت ہے، ایک قدر ہے، ایک معیار ہے۔ فضیلت، قدر یا معیار ہونے کی حیثیت سے یہ ایک داخلی اور موضوعی عنوان ہے۔ اگر اس کو فضیلت بالغیر قرار دیں تو اس کا معنی کچھ اور ہوگا اور اگر فضیلت بالذات کہیں تو اس کی معنویت بالکل ہی مختلف ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان حسن و جمال سے متاثر ہوتا ہے اور تاثر پذیری ایک

ایسی شے ہے جو نفس انسانی میں جیسی نفسیاتی اساس رکھتی ہے ویسی ہی شدید نفسانی بنیادیں بھی رکھتی ہے۔ اس لیے حسن و جمال کا تاثر دونوں صورتوں میں بالکل ہی بدل جاتا ہے۔ نفسانی تاثر پذیری کے دوران میں نفس انسانی درحقیقت خواہش کے داعیے سے پیدا ہونے والے اطناب سے آسودگی پا رہا ہوتا ہے تو اسے ایک راحت وسکون اور مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ نادان اسے بھی جمالیاتی مسرت یا حظ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اس نفسانی لذت کو جمالیاتی حظ سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کہ نفسانی لذت انسان کے لیے اپنے اندر بڑی کشش رکھتی ہے اور انسان کے بیشتر اعمال کا حقیقی اور جائز محرک ہوتی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے لیے فقط دو عملی فضیلتیں ہیں ایک نفسانی مسرت و تسکین ہے جس کا محرک خواہش ہے اور دوسری روحانی تسکین وانبساط ہے جو اقدار کو عملی صورت دینے سے میسر آتی ہے۔ فضائل کی تعمیل سے جو تسکین وابستہ ہے اس کا تجربہ نفسانی تسکین کی راہ سے کبھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ نفسانی محرکات کے نتیجے میں حاصل ہونے والی شادمانی کے ذریعے سے روح انسانی کی گہرائیوں میں اترا جا سکتا ہے۔ ان دونوں میں جوہری فرق ہے جس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو دونوں میں توارد کا واقع ہونا غیر معمولی بات نہیں ہوگی۔

انسان بطور ناظر حسن و جمال اس کا فقط مشاہدہ ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی قدر بھی کرتا اور اس سے محظوظ بھی ہوتا ہے۔ حسن و جمال کی قدر سے تنقید وجود میں آتی ہے اور اس کی حظ فنون لطیفہ کی تخلیق کا باعث بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناظر کے اندر حسن و جمال کی تاثیر کا اظہار تین صورتوں میں ہوتا ہے۔ بطور ناظر اس سے محظوظ ہوتا ہے، بطور ناقد اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے اور بطور فن کار اس کی تخلیق کرتا ہے۔

حسن و جمال کے ناظر کی حیثیت سے انسان پر لازم ہے کہ وہ جمالیاتی تسکین کو خالص اور پاک رکھنے کی بھرپور سعی کرے اور دوسری نوع کی مختلف تسکینات کو اس میں مخلوط نہ ہونے دے ورنہ انسان اور حیوان میں فرق ختم ہو جائے گا۔ انسان کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ مماثل فضائل میں امتیاز کا شعور برقرار رکھے۔ اگر یہ شعور باقی نہ رہے تو انسانی برتری یعنی اشرف المخلوقات ہونے کی صفت اپنا مفہوم کھو دیتی ہے۔ جمالیاتی تسکین کی سب سے نمایاں نشانی یہ ہے کہ وہ کبھی ذریعہ نہیں ہوگی ہمیشہ مقصود بالذات ہوگی یعنی حسن و جمال سے وابستہ لذت و تسکین سے اور کوئی خواہش وابستہ نہیں ہوگی اور نہ جمالیاتی حظ و تسکین کسی دوسری تسکین کا سامان بنے گی۔ اگرچہ اس امر کا شدید ترین امکان ہمہ وقت موجود رہتا ہے کہ جمالیاتی حظ و تسکین کسی دوسری نوع کی تسکین میں بدل جائے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پر ناقد کی تنقید رہنمائی کرتی ہے اور حسن و جمال کے معنوی وجود کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتی ہے۔ دراصل حسن و جمال کے سامنے انسان ہمیشہ منفعل ہو جاتا ہے، انسان حسن و جمال سے متاثر ہوتا ہے اور یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ انفعالیت کے دوران میں انسان کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ اپنے فعال قویٰ سے آسانی کے ساتھ کام لے

سکے۔ یہی وجہ ہے کہ جمالیاتی تسکین آسانی کے ساتھ کسی دوسری تسکین میں بدل جاتی ہے اور مقصود کے بجائے ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس صورت حال میں اپنے شعور کی کارکردگی کی درست سمت برقرار رکھنا کارے دارد ہوتا ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہوس ناکے نہ داند جام و سندان باختن

حسن و جمال کے ناظر کی حیثیت سے انسان کا شعوری رویہ نظری نہیں ہوسکتا یعنی حسن و جمال کے روبرو انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اس کی نظری تشکیل کرنے میں مصروف ہو جائے۔ اگر انسان ایسا کرنے میں مصروف ہو تو اس کی سب سے پہلی قیمت جو ادا کرنی پڑتی ہے وہ جمالیاتی حظ سے دستبردار ہونا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی شعور کی فطرت ہے کہ وہ آن واحد میں خارج کی جانب دو ایسی آرزوؤں سے کبھی متوجہ نہیں ہوسکتا جو اپنی اساس میں شعور کی مختلف صورتوں سے اٹھی ہوں۔ گویا حسن و جمال کا معروض یا تو جمالیاتی وجود کا مظہر ہوگا یا کسی دوسرے مطالبے کی تسکین کا سامان فراہم کرے گا۔ دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ وہ حسن و جمال کا مظہر ہونے کی حیثیت کا حامل نہیں ہوگا۔

حسن و جمال کے ناظر ہونے کی حیثیت سے ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ انسان حسن و جمال کا خالق کبھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے نہ تو وہ اس معروضی حسن و جمال کو وجود عطا کرتا ہے اور نہ اس کی ہستی میں کوئی اضافہ ہی کرتا ہے۔ حسن و جمال جس معروض کی صفت ہے وہ اپنی اُسی صفت کے ساتھ ناظر کی ہستی سے باہر اپنی الگ حیثیت میں موجود ہے۔ یہ ناظر کی استعداد ہے جو اس صفت جمال کو دریافت کرتی ہے۔ اگر ناظر کی استعدادِ ادراک کی نفی کر دی جائے تو حسن و جمال کے ہونے کی نہ تو کوئی دلیل ہوگی اور نہ کوئی سبیل۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حسن و جمال کی ہستی کا انحصار جن شرائط کے ساتھ مشروط ہے وہ دوگونہ مشکلات سے گھری ہوئی ہیں۔ ایک طرف ناظر کی استعداد قبول کی مشکل ہے تو دوسری طرف منظور کے اندر حسن و جمال کے حامل ہونے کا مسئلہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حسن و جمال کی ہستی کو ناظر کے اضافات میں شامل کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہ رجحان ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

حسن و جمال انسان کو متاثر کرنے کی فقط ایک ہی راہ نہیں رکھتا بلکہ وہ انسان کو طرح طرح سے متاثر کرتا ہے۔ اس مضمون میں ناظر کا لفظ 'حسن و جمال سے متاثر ہونے والے' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ انسان حسن و جمال کا ادراک صرف مشاہدے ہی سے کرسکتا ہے اور فقط اسی راہ سے اس تک رسائی رکھتا ہے۔ انسان جیسے حسن و جمال کا ناظر ہے اسی طرح سامع وغیرہ بھی ہے۔ حسی قویٰ کے علاوہ قوائے عقلیہ میں بھی حسن و جمال کی تاثیر کو قبول کرنے کا ملکہ موجود ہے۔ قوائے عقلیہ میں نہ

صرف تاثیر جمال کو قبول کرنے کا ملکہ پایا جاتا ہے بلکہ حسن و جمال کے خلق و جعل کی بھی استعداد موجود ہے۔ اس لیے قوائے عقلیہ کے خلق و جعل سے جو حسن و جمال متشکل ہوتا ہے انسان اس سے غیر معمولی حد تک متاثر ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قوائے عقلیہ کا مجعول حسن و جمال کسی واقعی حقیقت کی نہ صفت ہوتا ہے اور نہ خود کوئی واقعی حقیقت ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی مجبوری یہ ہے کہ وہ اس مجعول عقلی کو ایک اور عقلی مفروضے کے ساتھ ملا کر اسے واقعیت کا حامل بناتا ہے کہ یہ مجعول نہیں بلکہ خارجی طور پر موجود ہے، تب وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجعول حسن و جمال کی تاثیر درحقیقت خیال در خیال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فنکار کے فن، شاعر کی شاعری، خطیب کے خطبے اور اسی طرح کے دیگر مظاہر سے انسان متحرک یا مضمحل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ فرض کیجیے فنکار کا فن دیکھتے ہوئے ہمیں یہ خیال نہ رہے کہ یہ واقعی حقیقت ہے بلکہ یہ ایک مظاہرہ ہے یا شہودِ محض ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم فن کار کے فن سے ہر طرح کی تاثر پذیری سے اپنے آپ کو خارج محسوس کریں گے۔

یہاں پر انسان ایک نفسیاتی الجھن کا شکار ہو سکتا ہے۔ ماہرین نفسیات اس الجھن کو 'نرگسیت' کا نام دیتے ہیں۔ اس الجھن میں پڑا ہوا انسان خیال کی واقعیت کا قائل ہو جاتا ہے۔ جمالیاتی تاثیر میں یہ کمال پایا جاتا ہے کہ خیال کی واقعیت غالب ہونے کے باوجود انسان نرگسیت گزیدگی سے محفوظ رہتا ہے۔ خیال کی واقعیت کا احساس ایک الگ شے ہے اور خیال کی واقعیت کا قائل ہو جانا دوسری بات ہے۔ نرگسیت میں انسان خیال کی واقعیت کا قائل ہو جاتا ہے۔ جمالیاتی تاثیر کے دوران میں انسان خیال کی واقعیت کو محسوس کرتا ہے، اس کی واقعیت کا قائل نہیں ہوتا۔

ایک اہم اور عام مشکل جمالیاتی مظاہر کے مشاہدے کے دوران میں ان کے مظہر جمال ہونے کو نظر انداز کرتے ہوئے ان میں کسی دوسرے معانی کی جستجو ہے۔ جمالیاتی مظاہر کو کریدنے کا یہ عمل ان میں کوئی واقعی حقیقت دریافت کرے یا نہ کرے مگر اس کو مظہر جمال ہونے سے ضرور محروم کر دیتا ہے۔ بالعموم ایسے حضرات جمالیاتی مظاہر کو حسن و جمال کے تناظر میں رکھنے کے بجائے ان کی نظری صورت گری میں پڑ جاتے ہیں۔ یعنی ان کے وجود کے جواز کی عقلی توجیہ کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ حسن و جمال کو اپنے وجود کے جواز کی سند، اپنی ذات کے علاوہ کسی اور سے مستعار لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود اپنے وجود کے جواز کی بہت بڑی سند ہے بلکہ بعض اوقات تو حسن و جمال کے بغیر اشیاء کے وجود کا جواز ختم ہو جاتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کا طرز عمل درحقیقت مجعول حسن و جمال کی ماہیت سے صرف نظر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ لی جائے کہ مجعول حسن و جمال کی ماہیت خیال در خیال کی ہے تو اس میں جمالیاتی معانی کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ڈھونڈا جائے۔

بالعموم وہ افراد جن کا طبعی رجحان جمالیات کی طرف ہوتا ہے، ان کے مزاج کا یہ ایک ناگزیر پہلو ہے

کہ وہ حقیقت کو جمالیاتی تحسین سے سرفراز کرنے کے لیے اسے خیال در خیال کا موضوع بناتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ حقیقت نفس الامری خیال سے آزاد اپنی ہستی رکھتی ہے۔ چنانچہ یہ حضرات حقیقت کے ایک ایسے ادراک کے متمنی ہوتے ہیں جس کی بنیاد کلیت ہو۔ اس صورت میں حقیقت اپنی دیگر تمام صفات سے معرا ہو کر فقط جمال ہی جمال نظر آنے لگتی ہے۔ یہ ایک ایسا رویہ ہے جو اپنی نہاد میں جمالیاتی ہونے کے بجائے فسطائیت کی پیداوار ہے۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی خیال در خیال کا ایک مظاہرہ ہے۔

بحث کے اس مرحلے پر ہمیں ایک اہم مقدمے کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ وہ مقدمہ یہ ہے کہ علم اور خیال میں ایک بنیادی فرق ہے، اگر ہم اس فرق کی ماہیت کو نہیں سمجھ سکتے یا نہیں سمجھتے تو اقدار و فضائل پر کی جانے والی ساری بحث کی حیثیت لا حاصل طومار سے زیادہ کی نہیں ہو گی۔ علم کبھی تخلیق نہیں ہوتا، ہمیشہ دریافت ہوتا ہے اور خیال کبھی دریافت نہیں ہوتا ہمیشہ تخلیق ہوتا ہے۔ علم ہمیشہ محدود اور متعین ہوتا ہے، اس لیے کہ علم کے حصول کے وسائل اور پیرایہ اظہار و بیان محدود اور متعین ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس خیال کے وسائلِ حصول اس کی ذات سے باہر نہیں ہوتے بلکہ وہ خود آپ اپنا ذریعۂ حصول ہے۔ یعنی خیال اپنے ہیولے کا خود ہی صورت گر ہوتا ہے۔ صاحب خیال اور صاحب علم میں یہی فرق ہے کہ صاحب علم، علم کو تخلیق کرتا ہے نہ کہ معلوم کو۔ علم اس کے قوائے علمیہ سے صادر ہوتا ہے اور معلوم نفس الامر میں موجود ہے۔ جبکہ صاحب خیال جس طرح نفسِ خیال کی تخلیق کرے گا بعینہٖ اسی طرح موضوعِ خیال کو بھی خلق کرے گا بلکہ درست بات تو یہ ہے کہ خیال کی تخلیق کا مطلب ہی موضوع خیال کی تخلیق ہے۔ اس کا مطلب ہے صاحب خیال کو خیال تخلیق کرنے میں ان رکاوٹوں کا سامنا نہیں ہے جو ایک صاحب علم کو حصول علم میں بطور شرائط علم ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں۔

علم اور خیال کے فرق و امتیاز پر مبنی مذکورہ بالا مقدمے کو سامنے رکھیے تو انسان کے ناظر حسن و جمال ہونے کی معنویت کا ادراک قدرے آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ حسن و جمال کا ایک فطری مظہر ہے جس میں انسان کے خلق کو دخل ہے نہ جعل کو، جبکہ حسن و جمال کا دوسرا مظہر مکمل طور پر انسان کی تخلیق اور اس کا مجعول ہے۔

فطرت کے حسن و جمال میں انسان اضافہ کر سکتا ہے نہ کمی۔ البتہ فطرت کے حسن و جمال سے فیض یاب ہونے کے لیے جمالیاتی تحسین کے ملکے کو صیقل کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بعض اوقات جمالیاتی تحسین کا ملکہ بعض نفسیاتی وجوہ کی بنا پر نشو و نما پانے سے رہ جاتا ہے یا اس کی مطلوبہ حد تک نشو و نما نہیں ہو پاتی یا پھر ہوتی تو ہے مگر درست سمت میں نہیں ہو پاتی۔ ایسا ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے اور نہ یہ بات فقط اسی ایک ملکے کا مسئلہ ہے بلکہ تمام ملکات کے لیے اسی قسم کی مشکلات سے دو چار ہونا ممکن ہے۔ فطرت

کے حسن و جمال میں انسان کو متاثر کرنے کی صلاحیت کا انحصار انسان کی اہلیت تحسین پر ہے۔ جس قدر کسی کی اہلیت تحسین ترقی و تربیت یافتہ ہے فطرت کے حسن و جمال میں وہ اسی قدر شدید تاثر انگیزی پاتا ہے۔ فطرت کے جمالیاتی مظاہر کی عمومیت اور وسعت کا احصا و بیان ناممکن ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان ایسی محدود ہستی خاک سے لے کر افلاک تک فطرت کے کسی ایک مظہر میں مضمر جہات حسن و جمال کا اندازہ لگانے اور اس سے فیض یاب ہونے کی پوزیشن میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے یہ امکان ہر وقت موجود رہتا ہے کہ کسی بھی مظہر فطرت میں مضمر حسن و جمال کا کوئی سا جلوہ کسی وقت بھی انسان پر عیاں ہو کر اس کی شخصیت کے تار و پود کو ہلا کر رکھ دے۔

مظاہر فطرت میں حسن و جمال کے تعین کا معیار ناظر فطرت کی اہلیت سے مشروط ہے۔ اس سے ایک غلط فہمی عام ہوئی ہے کہ انسانوں میں حسن و جمال کے معیار یکساں نہیں ہیں حالانکہ اس عدم مساوات کا تعلق ناظر کی اہلیت کے تربیت یافتہ ہونے اور نہ ہونے سے ہے۔ فطرت حسن و جمال کی اتنی ہی نمایندگی کرتی ہے جتنی انسان کی اہلیتِ تحسین ارتقا یافتہ ہے۔ انسان فطرتاً مائل بہ جمال ہستی ہے تاہم اگر اس کا یہ میلان جبلت کی سطح پر رہے اور شعور کا داعیہ نہ بن سکے تو اس کے نزدیک حسن و جمال کی معنویت حسیات کے حصار سے کبھی خارج نہیں ہوگی۔ اس طرح انسان جس شے سے محظوظ ہوتا ہے وہ حقیقت خود اس کی اپنی ہستی کا خول ہے جس سے وہ خارج نہیں ہوسکتا، گویا اس نے فطرت میں موجود حسن و جمال تک رسائی ہی حاصل نہیں کی۔ فطرت کے حسن و جمال کی تحسین کے لیے انسان کو اپنی ہستی کے خول سے ترفع کرنا پڑتا ہے جبکہ حسیات سے لطف اندوز ہونے کے لیے اسے خارج سے منقطع ہونا پڑتا ہے۔ یعنی حسیات سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسان کو فطرت میں موجود حسن و جمال سے منہ موڑ کر فقط اپنے وجود میں مقید ہونا پڑتا ہے۔

حسن و جمال کی تحسین کے دوران میں انسان پر ایک طرح کی خود فراموشی کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اگرچہ توجہ کا ہر عمل ایک نوع کی خود فراموشی کو لازم کرتا ہے، اس لیے یہ کوئی جمالیاتی تحسین کا خاصہ نہیں ہے، تاہم جمالیاتی تحسین کا نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں توجہ کا عمل کسی ایک نقطے پر قائم نہیں رہتا بلکہ بار بار ارتکاز کے حصول میں ناکامی کے تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔ شعور کا عدم ارتکاز شعورِ جمالی کو التباس گزیدہ بنا دیتا ہے، اس لیے جمالیاتی تحسین کا کوئی بھی عمل التباس کے عنصر سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔ عدم تعین اور شعور دو متضاد چیزیں ہیں کیونکہ شعور نام ہے تعین کا، اس کے برعکس حسن و جمال سے ربط و اتصال کیف کی ایک صورت ہے، کیف کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بے معانی صورتوں اور بے صورت معانی کی تحت شعور کی حرکت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شعور میں کسی کے حضور ہونے کا تصور کارفرما تو رہے مگر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ وہ کیا ہے۔ کیف کے حوالے سے جو بیان کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شعور کے پاس

اپنی اس حالت کے لیے کوئی پیرایہ اظہار نہیں اور نہ کیف کا بیان کبھی کیف کا بدل بن سکتا ہے۔ اس لیے کیف کی ایسی تعریف ممکن نہیں جس کے نتیجے میں کیف کو تجربے سے نکل کر الفاظ میں محصور ہونا پڑے۔ بہر حال مدعا یہ ہے کہ جمالیاتی تحسین اور شعور نظری کے تحقیق میں واضح امتیاز پایا جاتا ہے۔ حسن و جمال کی تاثیر کے وقت شعور نظری موقوف رہتا ہے اور اسی طرح شعور نظری کے دوران میں حسن و جمال کی کارفرمائی معطل رہتی ہے۔ حسن و جمال کے بعض ناقدین اس مرکزی نکتے کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جمالیات کو پورے عالم وجود پر نافذ اور کارفرما ظاہر کرنے کے شوق میں جمالیات کے وجود کو بے معنی بنا دیتے ہیں۔ جمالیات میں التباس کا وظیفہ انتہائی مثبت اور بامقصد ہوتا ہے۔ التباس یہاں ایک خوبی ہے۔ ایک ایسی خوبی جس کی عدم موجودگی نقص نہیں بلکہ بہت بڑا نقص ہے حتیٰ کہ بعض صورتوں میں تو اس کے بغیر حسن و جمال کا پورا تصور ہی معرض خطر میں پڑ سکتا ہے۔

فطرت کے اندر موجود حسن و جمال کی خوبی یہ ہے کہ وہ مظاہر فطرت کی چگونگی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ ہر ایک مظہر میں اس کی جلوہ نمائی اور کشش کی کیفیت ایک جیسی نہیں رہتی بلکہ بدل بدل کر سامنے آتی یا دکھائی دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے مظاہر فطرت مسلسل ہیں اور نو بہ نو ہیں۔ فطرت کا حسن و جمال انسان کے قوائے ادراک و تفہیم کے لیے اپنے پاس بھرپور مواد رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ قوائے حسیہ و عقلیہ میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لیے فطرت کا دامن خالی ہو، مثلاً اعمال کا حسن، اقدار کا حسن، تصورات کا حسن، شخصیت کا حسن، منظر کا حسن۔ مذکورہ بالا مظاہر میں جیسے ذوات کا اختلاف ہے ویسے ان میں حسن و جمال کے معنوی مصداقات بھی مختلف ہیں۔ اسی طرح اگر محسوس مناظر کے حسن و جمال پر غور کیا جائے تو ان میں چگونگی کا تجربہ اور زیادہ وفور سے ہوگا۔ جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان، ہر ایک میں جمالیاتی رنگ و آہنگ کا علیحدہ انتظام و انصرام پایا جاتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ناظر کو قصد جمال کرنا ہے اور فطرت نے اس کے سامنے اس کثرت سے مظاہر جمال لا کھڑے کرنے ہیں کہ لاتعد و لاتحصیٰ۔ حسن و جمال کے نظارے کا قصد ناظر کی ایسی خاصیت ہے جس پر حسن و جمال کا وجود تو منحصر نہیں مگر حسن و جمال کی تحسین کا تجربہ فقط اسی ایک شرط سے مشروط ہے۔

فطرت کے حسن و جمال کے ناظر کی حیثیت سے انسان مظاہر کو کسی اور رنگ میں دیکھنے کا قصد کر سکتا ہے اور ان میں جمالیاتی جہت کے بجائے اخلاقی، علمی اور مذہبی معانی کی جستجو کر سکتا ہے یا ان میں اپنی مرضی کا کوئی بھی رنگ بھر سکتا ہے۔ بہر حال یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جمالیات کی اپنی ایک مستقل شناخت اور حیثیت ہے۔ مستقل بالذات اقدار کے بغیر زندگی کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اخلاق اور مذہب کی اپنی انفرادی حیثیت کو داؤ پر لگا کر ہم ان کی کوئی خدمت نہیں کرتے اور نہ اس طرح جمالیات کی قدر و قیمت کا کوئی بہتر

اندازہ مقرر کر سکتے ہیں۔ اقدار کا وجود ان کی اپنی ہستی سے باہر ہو تو سکتا ہے مگر وہ کبھی خالص اور پاک نہیں ہوتا، آلودہ اور مکروہ ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان آلودہ اور مکروہ ماحول سے سمجھوتا کر لے اور اپنے آپ کو اس پر قانع کر لے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اقدار کی پاس داری کر رہا ہے۔

مذہب اور اخلاق ایسی اقدار کے اظہار کے لیے جمالیاتی قضایا کو کام میں لانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی سچے خدا کو چھوڑ کر موہوم یا مجسم خدا کی پوجا کرنا شروع کر دے۔ مذہب اور اخلاق کی اپنی جمالیات ہے۔ مذہب کا جمال صورت اور معنی کے اعتبار سے دیگر فضائل کے حسن و جمال سے مختلف ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دیگر اقدار و فضائل کی صفاتِ حسن و جمال مذہبی معنی میں حسن و جمال کی حامل نہیں ہیں۔ انسان کی نفسیات یہ ہے کہ اپنے مطلوب کو ہر حقیقت پر فائق رکھنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے سب کچھ داؤ پر لگانے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اپنی اسی نفسیاتی الجھن کے باعث فضائل عالیہ کے حقیقی مقام و مرتبے کا ادراک کیے بغیر اس خیال میں گھرا رہتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے درست ہے۔ جمالیات میں یہ مشکل اس لیے دو چند ہو جاتی ہے کہ تعظیم و تقدس اور فرض و حکم کے مطالبات کے ساتھ احساسِ حسن و جمال شامل جو جاتا ہے۔ یوں گویا شعور کے تمام ملکات اور ہر استعداد اپنی اپنی تسکین کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ایک خاصی پیچیدہ مشکل ہے حتیٰ کہ نرگسیت سے بھی زیادہ پیچیدہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مقدس جذبات کی مشاطگی نے ان کے ذاتی حسن و جمال پر توسع اور افزونی کے احساس کا اضافہ کر دیا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس صورت حال سے انسان کو خدا نکالے تو انسان نکل سکتا ہے ورنہ جہاں تک اس کی اپنی ذات کا تعلق ہے تو وہ اسی عالم میں دنیا سے گذر جانے کو ترجیح دے گا۔ بایں ہمہ انسان کی حد تک اس مشکل سے نبرد آزما ہونے کا منہاج فقط ایک ہے اور وہ ہے معیار کے شعور کی نشو و نما یعنی تنقید۔ تنقید کا یہی فرض ہے کہ وہ ہمارے شعور کی تربیت کرے۔ اگر تنقید کا فرض انجام دینے والا خود اس نوع کی نفسیاتی الجھن میں مبتلا ہو تو وہ تنقید کے بجائے افسانہ پردازی کرے گا۔ تنقید نام ہے شعور کے معیار اور معیار کے شعور کا۔

فطرت میں موجود حسن و جمال کے علاوہ دوسرا مظہر جمال وہ ہے جسے اس مضمون میں مجعول حسن و جمال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ حسن و جمال جسے انسان اپنی قوت تخلیق سے وجود عطا کرتا ہے۔ یہ حسن و جمال فطرت میں موجود مظاہر جمال سے کئی اعتبارات سے متمیّز ہے۔ مجعول حسن و جمال کی نمایاں خاصیت نظم و ربط کا مخصوص انداز ہے جو فطرت میں موجود حسن و جمال میں کہیں نظر نہیں آتا۔ مجعول حسن و جمال کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ اپنے جاعل و خالق کے وجود کا علامتی اظہار ہوتا ہے اور اس اظہار میں اپنے جاعل و خالق کے وجود کے تمیز و تفرد کا دفاع کرتا ہے اور اس کے تشخص کو نمایاں رکھتا ہے۔ تیسری قابل لحاظ خاصیت یہ ہے کہ اس کی کشش ہمیشہ مشق و مزاولت سے مشروط ہوتی ہے۔ ایک اور خاصیت یہ ہے کہ اس کی

جمالیاتی معنویت اور تحسین تربیت یافتہ افراد اور عامتہ الناس کے لیے یکساں نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں مجعول حسن و جمال کے وجود کا انحصار انسانی ملکے پر ہوتا ہے اس لیے میلان طبع اس میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ میلان طبع کے اختلاف کی وجہ سے فنون کی کثرت نظر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک میدان کا شہ سوار ممکن ہے دوسرے میدان فن میں بعض اوقات غیر معمولی حد تک نابلد نظر آئے یا مضحکہ خیز معلوم ہونے لگے۔ اسی سے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ انسان جمالیات میں ہمیشہ یک بعدی رہتا ہے، ایک معنی میں یہ بھی مجعول حسن و جمال کے خصائص میں سے ایک ہے۔

مجعول حسن و جمال اولاً بطورِ خیال وارد ہوتا ہے اور اس کے بعد اظہار کے سانچوں میں نمودار ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر مجعول حسن و جمال خیال کی مرئی صورت ہے یا اس کی قابل مشاہدہ تجسیم ہے۔ خیال کی واردات کا مبدا خیال ہی میں مضمر ہوتا ہے۔ خیال کیا ہے؟ انسانی ذہن کے قوائے ادراکیہ کی ایک ایسی آماج گاہ جہاں انسانی ذہن ادراک کے ہر عمل کی صورتوں کا اوّلین نقش محفوظ کر لیتا ہے۔ صور و معانی کے اس خزانے میں خارج کے ادراک کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہوتا۔ جب ذہن کی توجہ کا ارتکاز صور و معانی کے اس جہان کی طرف ہوتا ہے تو انسان عالم خارجی سے کٹ جاتا ہے۔ ایک تخلیق کار ذہن ان صور و معانی کی تالیف کرتے ہوئے ان کی تجسیم و تبیین کرتا ہے تو حسن و جمال کی وہ صورت وجود میں آتی ہے جسے ہم نے مجعول حسن و جمال کا نام دیا ہے اور بالعموم اسے فن کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انسان کے پاس صور و معانی کے مذکورہ خزانے کے مقابل وسائل اظہار و بیان بہت ہی قلیل ہیں۔ مگر انسان اس کے اظہار و بیان کی آرزو سے کبھی دستبردار نہیں ہوتا۔ اپنے اس فطری نقص کی تلافی بالعموم وہ حدود سے تجاوز کی صورت میں کرتا ہے۔ یہ تجاوز کبھی خیال کو حقیقت اور کبھی حقیقت کو خیال بنا دینے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس تجاوز سے حقیقت تو خیر کیا بدلے گی البتہ اس کا اثر یہ ضرور ہوتا ہے کہ انسان اپنے نقص کو کمال سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس سے نجات پانے کی ہر سبیل کو مسدود کرتا چلا جاتا ہے۔

انسان اپنے وہبی تصورات کو خارجی صورت کبھی نہیں دے سکتا۔ اس لیے وہبی مقولات کا جمالیاتی اظہار ممکن ہی نہیں، وہبی تصورات ایسے صور و معانی ہیں جن کا ادراک تو مشکل نہیں مگر ان کا وجودی علو و عظم اس قدر رفیع الشان ہوتا ہے کہ ان میں اور جمالیاتی اظہار و ابلاغ میں امتیاز کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمالیات سے وابستہ افراد اپنے بیان میں زور پیدا کرنے کے لیے انھی مقولات کا سہارا لیتے ہیں جن کی خارجی واقعیت امکان کی حدود سے بہت دور ہوتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے مخصوص نوعیت کی جمالیاتی تسکین و تحسین کی ضرورت پوری ہو جاتی ہو اور اس وجہ سے اس پر کوئی قابل ذکر اعتراض بھی نہ ہو سکے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ مجعول حسن و جمال کی کارفرمائی کا یہ میدان نہیں ہے۔ اس کے

باوجود بھی اگر کوئی فن کار وہبی تصورات کے تعاقب میں رہے تو اسے جلد یا بدیر معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایک کارعبث کے پیچھے اپنے فن اور صلاحیت کو صرف کر رہا ہے۔ مذکورہ صورت کا سامنا اس وقت کرنا پڑتا ہے جب کوئی فنکار اپنی قدر و قیمت کا مظاہرہ مذہب کے ماورائی حقائق کی صورت میں کرنے لگتا ہے۔ جب ایک شاعر، ادیب، مصور اور خطیب وغیرہ اپنے آپ کو اصلاح معاشرہ کا مکلّف فرض کرنے لگتا ہے اور ایک الہامی پیغام بردار کی طرح اپنے خیال کی پونجی کو عمرانی پیچیدگیوں کا حل بنا کر پیش کرتا ہے تو ایسا کرتے وقت وہ یہ بالکل بھول جاتا ہے کہ اس کا سارا ساز و سامان اس کے خیال کا وہ فریب ہے جس کا مبدا و معاد خارج کی دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے شاعری کو 'تقول' سے تعبیر کیا ہے۔ سخن سازی مبنی برحقیقت نہیں ہوتی، اس کا قابل قدر پہلو یہ نہیں کہ وہ حقیقت کی ترجمان ہے، بلکہ اس کی قدر و قیمت کا انحصار، اس پیرایۂ اظہار کی تازگی اور حسن معنی میں ہے، جس میں اسے پیش کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک اس کے ترجمان حق ہونے کا تعلق ہے تو وہ ایسا خیال ہے جس کو ایک اور خیال نے پیدا کیا ہے۔ مجہول حسن و جمال کی رفعت و عظمت یہ نہیں کہ وہ مجہول ہونے کی صفت سے نکل جائے اور انسانی وسائل ادراک و اظہار سے ماورا ہو جائے، اس کے برعکس اس کی عظمت اور شوکت اس میں ہے کہ انسانی حدود و قیود میں پوری طرح سے ملفوف رہے۔ الوہیت انسان کے لیے باعث افتخار نہیں ہے بلکہ اس کے لیے وجہ تذلیل ہے۔ الوہیت و انسانیت میں فرق و امتیاز اپنے اندر ایک حسن و جمال رکھتا ہے۔ جس طرح انسانی حسن و جمال الوہیت کے باب میں نقص و کوتاہی کو ظاہر کرتا ہے، بالکل اسی طرح الوہی حسن و جمال انسان کی صفت نہیں بن سکتا اور نہ اس کے لیے کسی کمال کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ انسان کا شاعرانہ تخیل انسانی حدود کو کبھی نہیں پھلانگ سکتا، اس لیے جب بھی اس نے الوہی وجود کو اپنا موضوع بنایا ہے، اس کے نتیجے میں الوہیت کے جوہر کو ضائع کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ایسا کرتے ہوئے وہ الوہیت کو فتح کر لینے کے زعم میں گرفتار ہو جائے۔

انسان کا وجود کیا ہے؟ ایک ایسی ناکام و ناتمام ہستی جس کی ہر آرزو اور ہر تمنا اپنے سے باہر اپنی تکمیل کا سامان تلاش کرتی ہے۔ ناکامی و نامرادی کا ہر تجربہ اسے اپنے وسائل کے بارے میں عدم اطمینان کو شدید سے شدید کر دیتا ہے۔ اسی کیفیت سے اس کا شعور نشو و نما پاتا ہے اور متخیلہ کا خزانہ بھرتا ہے۔ انسان کے اندر حسن و جمال کی کوئی صورت، اس زیست کے تجربے کو نظر انداز کرتے ہوئے متشکل نہیں ہوتی جس کو واقعتاً وہ بھوگ رہا ہوتا ہے۔ ناکامی و نامرادی پر غالب آنے کی امید انسان کو زیست میں حسن و جمال کی وضع و تشکیل کی جانب متوجہ کرتی ہے۔ یہی امید مجہول حسن و جمال کا محرک بنتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجہول حسن و جمال زیست کی امید ہے اور امید کی زیست ہے۔ مذہب کی آرزو کا محرک بھی زیست کی ناکامی

و نامرادی ہی ہے مگر مذہب جس ناکامی و نامرادی کی تلافی کرنے کا دعویدار ہے، وہ انسان کے کسی ایسے عمل سے پوری نہیں ہوسکتی جس کا جاعل و خالق وہ خود ہو۔ اس کے برعکس مجعول حسن و جمال انسان کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ مذہبی حقائق انسان کے وضع کردہ تصورات نہیں ہیں اگر ایسا ہوتا تو انسان ان کو بھی وضع و تشکیل کے ذریعے خارجیت عطا کرنے کی کوشش کرتا اور انھیں بھی متجر کرنے کی سعی کرتا۔ مبنی بر وثنیت تہذیبوں میں حسن و جمال کا شعور جس دائرے میں مقید ہوتا ہے وہ انسان کی ہستی سے کبھی باہر نہیں جاتا اور الوہیت و انسانیت، جمالیاتی شعور ہونے کے بجائے مذہبی شعور کی تحریف و ترمیم پر مبنی وہ نظری تحسین ہوتا ہے، جس کی اساس فکری التباس ہے اور یہ اسی قسم کا التباس ہے جو جمالیات میں باعث تسکین و تحسین ہوتا ہے۔ ایک زیرک اور ذکی الفہم ناقد کے لیے شعور مذہبی اور شعور جمالی کے بنیادی مطالبات کی روشنی میں ان دونوں میں فرق کرنا زیادہ مشکل نہیں۔

مجعول حسن و جمال کی حیثیت ایک قدر و فضیلت کی ہے اور اقدار کے ہر نظام میں فرق مراتب کا اصول خود ایک قدر ہے اور ایک فضیلت ہے۔ فضائل و اقدار کے مراتب کا شعور درحقیقت حدود و قیود کا شعور ہے، اس لیے اظہار و معنی میں مجعول حسن و جمال حدود و قیود سے معرا نہیں ہوسکتا۔ فنکار کا فن اخلاقیات کا درس نہیں ہے اور نہ علمی نکات پر مبنی حقائق کا بیان ہے بلکہ شعور جمالی کی پوشیدہ آرزو کے مناسب اور موزوں اظہار و بیان کی حیثیت سے فن کی عظمت اس وقت تک متاثر نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے سے ارفع و اعلیٰ اقدار کے وجود کے لیے کوئی مشکل پیدا نہیں کر دیتا۔ لیکن اگر فضائل و اقدار میں فرق مراتب کو قدر کا درجہ حاصل نہ ہو تو بے قیود و حدود فنون، جمالیات کی نازک حس کو فروغ دینے کے بجائے اسے پامال کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس ارفع و اعلیٰ اقدار پر غیر معمولی اصرار نہ صرف حس جمال کو فنا کر دیتا ہے بلکہ خود جمالیاتی اظہار و بیان کے تخلیقی رجحان کو بھی روک دیتا ہے، جس سے فن کے عمدہ مظاہر وجود میں آنے بند ہو جاتے ہیں۔ مذہبی معاشرت میں فن کی ہر نوع کے عمدہ مظاہر ملنے اسی لیے محال ہوتے ہیں کہ اس میں اقدار کے فرق مراتب کو بطور ایک قدر کے ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ یہی نہیں کہ فرق مراتب کو ایک قدر بالذات کا درجہ نہیں دیا جاتا اس سے بھی زیادہ مشکل اس وقت پیدا ہو جاتی ہے جب فن کو جمالیاتی شعور کی کارکردگی کے بجائے الوہی اظہار کا درجہ دے دیا جاتا ہے یا پھر محض شیطنت تصور کر لیا جاتا ہے۔ مجعول حسن و جمال نہ تو الوہی مظہر ہے اور نہ شیطانی القا کا انسانی مظاہرہ۔ مجعول حسن و جمال انسان کے اپنے وسائل سے پیدا ہونے والا عارضی مظہر ہے جس میں ماورا کا کوئی عمل دخل نہیں ہے وہ القا ہے نہ الہام ہے، وحی ہے نہ اس کا تبیان۔ لہٰذا اس کے اندر کوئی آسمانی مطالب و مفاہیم پوشیدہ نہیں۔ وہ ماضی کا ترجمان ہے نہ مستقبل کا محافظ اور نہ حال کا

نگہبان۔ لہٰذا اس میں تاریخیت کو تلاش کرنا عبث ہے۔ زمان و مکان کو اس میں یہ دخل حاصل ہے کہ وہ اس کے ظہور کی ناگزیر شرائط ہیں۔ حسن و جمال کا کوئی حوالہ اس کی ذات سے باہر نہیں ہوتا اور نہ اس کے علاوہ کوئی شے اس کے حوالے کی متحمل ہو سکتی ہے۔

❁❁❁